ترجمہ و تلخیص

معاصر حکام کے بارے میں امام مالکؒ کا معتدل موقف

——————— ڈاکٹر توفیق بن احمد الغلبز وری

ترجمہ: ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خاں ندوی

احادیث میں حکم رانوں کی سمع وطاعت پر زور دیا گیا ہے۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حکامِ وقت کی اطاعت کی جائے، خواہ وہ ظلم کریں اور عوام کے حقوق پامال کریں۔ ان احادیث کی بنیاد پر علمائے متقدمین نے مسلم حکم رانوں کے خلاف خروج کو غلط قرار دیا تھا، خواہ وہ بہ زور قوت اقتدار پر قابض ہوئے ہوں۔

ان احادیث اور ان کی قدیم تشریحات کی بنیاد پر ہمارے تجزیہ نگار گذشتہ اور موجودہ سیاسی پس منظر کے فرق کے بارے میں اس عوامی احساس (جس میں دینی اور لادینی کی تمیز نہیں) کو مسلسل نظر انداز کر رہے ہیں کہ:

۱- موجودہ زمانہ کے متغلّب حکمراں (خواہ انھوں نے غیر آئینی طریقوں سے حکومت واقتدار پر قبضہ کیا ہو یا موجودہ معمول کے مطابق جمہوری دھاندلیوں سے) وقت حاضر کی زور آزما غیر ملکی طاقتوں کے زر خرید غلام (کُھلے ایجنٹ) معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی وفاداریاں ملک وقوم کے بجائے غیر ملکی شہ زور طاقتوں کے مفادات و ترجیحات سے علانیہ طور پر وابستہ دکھائی دیتی ہیں۔ لہٰذا جو بیرونی دشمنوں کا حکم ہو وہی ان کے PLANTED ملکی حکمرانوں کا ہونا چاہئیے۔

گذشتہ زمانہ کے متغلّب حکمراں اپنے ذاتی مفاد کی حد تک جتنے بھی خود غرض رہے ہوں، لیکن قومی وملکی مفادات کے محافظ ونگہبان کے روپ میں ہمیشہ ملک وقوم کے سچے وفادار ہیرو بنے رہتے تھے۔

۲- گذشتہ اور موجودہ زمانوں کی جنگوں کے مقاصد میں بھی زمین وآسمان کا فرق ہو چکا ہے۔ قدیم جنگوں کا مقصد دیگر اقوام کے علاقوں کو فتح کر کے ان کے محصولات پر قبضہ یعنی خالص مادی توسیعی مفاد ہوتا تھا۔

موجودہ زمانہ کی سرد جنگ ہو یا گرم، یہ ٹوٹل جنگ کا زمانہ ہے جس میں مذکورہ مادی فوائد کے علاوہ علمی وفکری، ثقافتی وتہذیبی اور مقامی رسم ورواج حتّٰی کہ لباس، کھانا پینا، رہن سہن الغرض کُل معاشرت کی تبدیلی مطلوب ہے، تاکہ فاتح ومفتوح میں مَن و تو نہ رہے اور مفتوح علاقہ میں سامراجی مقاصد کو ابدی حیثیت دی جاسکے۔

۳- قدیم جنگوں میں علاقے فتح کیے جاتے تھے، دل و دماغ فتح کرنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جاتی تھی، موجودہ جنگوں میں سامراجی مقاصد کو ابدی حیثیت دینے کے لئے دل و دماغ کو فتح کرنا بھی مقصود ہے، تحریص وترغیب کے ذریعہ ہوتو فبہا، ورنہ عالمی دہشت گردوں کے پاس ترہیب وتعذیب کے ایسے ایسے سائنسی، مشینی آلات ووسائل اور نفسیاتی حربے موجود ہیں جن کو آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا، نہ دل میں ان کا وہم وگمان گذرا!

حاصل کلام یہ کہ موجودہ زمانہ کی عالمی/ ریاستی سرکاری پیچیدہ دہشت گردی کے تجزیہ کے لیے ہر پہلو سے مکمل صورت حال اور اس کے مالہٗ وماعلیہ کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ ملکی وقومی آزادی کے متوالوں اور دینی و مذہبی غیرت وحمیت کے لیے سر پر کفن باندھے ہوئے سرفروشوں کو صرف قرآن وحدیث اور سیاق وسباق سے علیحدہ ان کی قدیم تشریحات کے حوالہ سے امن وآشتی اور صبر کی تلقین کافی نہیں۔ واللہ اعلم (مترجم)

اس موضوع پر اظہار خیال کی وجہ وہ فتنہ ہے جس کو بعض غالی نوجوانوں نے گذشتہ برسوں میں عالمِ اسلام کے مختلف حصوں میں برپا کر رکھا ہے۔ ان کی بدعت اور گمراہی کی دو وجوہ ہیں: اول تکفیر، دوم حکام کے خلاف خروج۔ ان وجوہ سے بڑے مفاسد پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے بڑے بزرگ علماء، جن میں سرفہرست دارِ ہجرت مدینہ منورہ کے امام مالکؒ ہیں، ان کے طریق کار سے لوگوں کو واقف کرانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

حکام کے بارے میں اہلِ سنت و جماعت کا طریقہ

اہلِ سنت و جماعت کے عقیدہ کا اصول بیان کرتے ہوئے امام طحاویؒ نے چاروں متفقہ اماموں، جن میں امام مالکؒ بھی ہیں، کا معتدل طریقہ واضح کیا ہے۔ وہ

لکھتے ہیں: ''سوائے اس کے جس پر تلوار کی سزا واجب ہے ہم محمد ﷺ کی امت کے کسی فرد کے خلاف تلوار اٹھانا صحیح نہیں سمجھتے اور ہمارے ائمہ وحکمران اگر چہ ظلم کریں، ہم ان کے خلاف خروج☆ (بغاوت) صحیح سمجھتے ہیں نہ ان کے خلاف بد دعا کرتے ہیں، نہ ان کی اطاعت سے دست کش ہوتے (بیعت توڑتے) ہیں، بلکہ ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرح فرض جانتے ہیں جب تک کہ وہ معصیت کا حکم نہ دیں، اوران کے لئے عافیت وصلاح کی دعا کرتے ہیں، سنت و جماعت کی اتباع کرتے ہیں اور شذوذ، اختلاف وتفرقہ بازی سے بچتے ہیں''۔[1]

اسی صحیح اعتقاد اور راست طریق کار پر امام مالکؒ کار بند تھے جیسا کہ ان کی سیرت وطریقہ کار اور درج ذیل خیالات سے ثابت ہوتا ہے:

۱- حکام کے خلاف خروج صحیح نہیں، خواہ وہ ظالم ہوں:

امام مالکؒ نے اپنی زندگی میں دو ایسی اسلامی حکومتوں (اموی وعباسی) کے عہد کو دیکھا جس میں اسلامی رقبہ کی بے نظیر توسیع ہوئی۔ وہ ولید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے، اس کے بعد اس کا بھائی سلیمان تخت حکومت پر متمکن ہوا، پھر عمر بن عبدالعزیزؒ کا انتخاب ہوا، جن کو امام مالکؒ اس حد تک پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے کہ انھوں نے ان کی سیرت بیان کی، جس کو ان کے بعض شاگردوں نے روایت بھی کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد اموی وعباسی خلفاء نے ان سے مختلف راستہ اختیار

---

[1] موجودہ زمانہ کے جمہوری تماشے میں نمائندہ انتخابات کے بعد حکمراں پارٹی یا پارٹیوں کے اتحاد کی آئینی حکومت کے وقفۂ حکمرانی کے دوران اپوزیشن (مخالف جماعتوں) کا اس سے مستقل عدم تعاون اور مسلسل فتنہ وفساد برپا رکھنا اور پھر آئندہ انتخابات کے موقع پر اس طرح کی ضدّم ضدّا کہ غیر جانب دار مشاہدین یہ خیال کرنے لگیں کہ اصلاحات کے مطالبہ کا اصل مقصد سنہرے طشت میں سجا کر حکومت عطا کرنا ہے، مترجم کے نزدیک ہنگامہ آرائی کی یہ تمام قسمیں خروج ہی کی مختلف شکلیں ہیں، جن کو بیرونی چال باز نہ صرف بڑھاوا دے رہے ہیں، بلکہ ملکی خائن غدّاروں کے بل بوتے پر ملک کے ملک ہضم کرنے کے لئے پر تول رہے ہیں-مترجم

کیا، ان خلفاء کے زمانہ میں امام مالکؒ نے خوارج کے خروج اور علویوں کے حملوں سے امت اسلام کو پہنچنے والے ناقابلِ تلافی نقصانات کا مشاہدہ کیا۔ اس ہنگامہ آرائی کے زمانہ میں انھوں نے دیکھا کہ نظم ونسق اضطراب وانتشار کا شکار ہوا، لوگوں کے حالات دگرگوں ہوگئے، حرمات کا پاس ولحاظ نہ رہا، جان ومال اور عزت وآبرو خطرہ میں پڑ گئے، صرف تھوڑی دیر کے ہنگامہ میں ایسے ایسے مظالم ومفاسد کا ارتکاب ہوا جو منظّم مظالم کے دور میں برسوں کے عرصہ میں نہ ہو سکے۔[۲]

لہذا امام مالکؒ ظالم حکام کے خلاف بھی خروج کو صحیح نہیں سمجھتے تھے، اس لئے کہ اس کا مطلب فتنہ پروری اور حرام خون بہانے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، بلکہ امام مالکؒ تو تلوار کے بَل پر زور زبردستی سے غلبہ حاصل کر لینے والے سلطان کی بیعت کو بھی صحیح سمجھتے تھے، جیسا کہ ان کے شاگرد یحییٰ بن یحییٰ اللیثی المصمودی الاندلسی نے روایت کی ہے، امام شاطبیؒ کی کتاب 'الاعتصام' میں مذکور ہے: ''یحییٰ بن یحییٰ سے کہا گیا کہ کیا تغلّب والی بیعت (یعنی جسے بذریعہ قوت حاصل کیا گیا ہو) مکروہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں۔ پھر ان سے کہا گیا: خواہ وہ امام ظالم ہوں؟ انھوں نے فرمایا: حضرت ابن عمرؓ نے عبدالملک بن مروان سے بیعت کی تھی، حالاں کہ اس نے تلوار کے بَل پر حکومت حاصل کی تھی، یہ بات مجھ کو امام مالکؒ نے ابن عمرؓ کے حوالہ سے بتائی کہ انھوں نے عبدالملک کو لکھا: کتاب اللہ اور اس کے نبی حضرت محمد ﷺ کی سنت کے مطابق میں تمھارے لیے سمع واطاعت کا اقرار کرتا ہوں۔ یحییٰ نے (مزید) کہا: بیعت افتراق سے بہتر ہے۔ یحییٰ نے (پھر) کہا: امام مالکؒ کے پاس العمری آئے اور ان سے کہا: اے ابوعبداللہ! اہل حرمین (شریفین) نے مجھ سے بیعت کر لی ہے، نیز آپ کو ابوجعفر کی سیرت کا حال معلوم ہے، تو اب بتائیے آپ کا کیا خیال ہے؟ امام مالکؒ نے عمری سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ کسی نیک آدمی کو ولایت (حکومت) سپرد کرنے سے عمر بن عبدالعزیزؒ کو کس چیز نے روکا؟ عمری نے کہا: مجھے علم نہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا: لیکن مجھے علم ہے۔ بات یہ تھی کہ ان کے بعد یزید کی بیعت تو ہو چکی تھی، اب عمر بن عبدالعزیز کو اندیشہ ہوا کہ اگر انھوں نے کسی نیک آدمی کو

والی (حاکم) بنایا تو یزید کے سامنے اس کے خلاف قیام (جنگ) کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہوگا، اس لیے جنگ ہوگی اور ایسا فساد برپا ہوگا جس کی اصلاح نہ ہوسکے گی۔ یہ بات سن کر عمری نے امام مالکؒ کی رائے سے اتفاق کیا"۔[۳]

یہ روایت نقل کرکے امام شاطبیؒ نے اس پر یہ تبصرہ کیا ہے: "اس روایت سے یہ ظاہر ہے کہ اگر غیر مستحق کو معزول کرکے مستحق کو حاکم بنانے سے فتنہ اور ناقابلِ اصلاح مفاسد کے واقع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس (بہتر) کام کو ترک کردینے میں ہی مصلحت ہوتی ہے۔[۴]

یہ امام مالکؒ اور ان کے شاطبیؒ جیسے متبعین کی اعتدال پسندی ہے کہ معاملہ کو مصلحت کے لحاظ سے اعتدال و توازن کے مطابق طے کیا۔ یہی بات شرعی نصوص اور مقاصد سے میل کھاتی ہے۔ اسی لیے شاطبیؒ نے اسے امام مالکؒ کا اصل مسلک شمار کیا ہے۔

امام مالکؒ اہل سنت و جماعت کا دامن تھامے رہے، انھوں نے امام کے خلاف خروج کو مناسب سمجھا نہ بغاوت کی دعوت دی، نہ اس کی تائید کی۔ ساتھ ہی انھوں نے معاصر خلفاء و حکام کی طرف بھی لوگوں کو دعوت نہ دی اور ان کی حمایت نہیں کی، بلکہ غیر جانب داری کی پابندی کی۔ یہ بات اسلام کی اعتدال پسندی اور مقاصدِ شریعت دونوں سے میل کھاتی ہے۔ التزام جماعت کے ساتھ انھوں نے حکمرانوں کی اطاعت کی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حکم رانوں کی سیاست کو اسلامی احکام اور قرآنی ہدایات کے مطابق سمجھتے تھے، بلکہ حکام کی اطاعت پر وہ اس لیے راضی رہتے تھے کہ اس میں نسبتاً اصلاح کا پہلو غالب رہتا ہے۔ اس صورت میں حق بات کہنے اور احسن طریقہ سے نصیحت و موعظت کرنے سے اصلاح کا امکان موجود رہتا ہے۔ چونکہ اکثر محکوم (رعایا) کی اصلاح سے حکّام کی اصلاح ہوجاتی ہے، اس لیے علماء پر واجب ہے کہ محکومین (عوام) کی رہنمائی اور اصلاح کی کوشش کریں، اس لئے کہ ان کی اصلاح کی بدولت حکّام کی بھی اصلاح ہوجائے گی۔ بہرحال اصلاح کے طریقہ سے متعلق ان کی جو رائے بھی ہو مگر وہ اندھے فتنوں کے وقت کسی فریق کی بھی مدد نہیں کرتے تھے، اس لیے کہ دونوں فریق گناہ

کا ارتکاب کرنے والے تھے، لہذا کسی کے ساتھ دوسرے کے خلاف تعاون نہیں کرتے تھے۔ خوارج کے بارے میں کسی نے ان سے سوال کیا کہ کیا ان سے جنگ جائز ہے؟ تو جواب دیا: ہاں اگر وہ عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے حاکم کے خلاف خروج کریں۔ سوال کرنے والے نے پھر کہا: اگر ان جیسا حاکم نہ ہو؟ فرمایا: تو اللہ تعالیٰ کو ایک ظالم کے ذریعہ دوسرے ظالم سے انتقام لینے دو، پھر وہی دونوں سے انتقام لے گا۔ ۵

شیخ محمد ابوزھرۃؒ کا خیال تھا کہ ظالم حکام کے خلاف خروج کے عدم جواز کے بارے میں امام مالکؒ کا مسلک حسن البصریؒ کے مثل ہے۔ دونوں کے یہاں اگر چہ الفاظ مختلف ہیں، لیکن معنیٰ و مطلب ایک ہے۔ ۶ دونوں علماء کی بات سنت کی نصوص، شریعت کے مقاصد اور اہلِ سنت و جماعت کے اصولوں کے موافق ہے، اس لیے کہ ان کے خلاف خروج میں ان کے ظلم و جور سے کئی گنا زیادہ مفاسد مرتب ہوتے ہیں۔

شیخ ابوزھرۃ کی اس رائے پر، کہ ظالم حکام کے خلاف خروج صحیح نہیں ہے، استاذ علال الفاسی نے تنقید کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ امام مالکؒ سے اس طرح کی کوئی بات منقول ہے نہ ان کے کلام میں کوئی چیز اس پر دلالت کرتی ہے۔ ۷ لیکن میرے خیال میں شیخ ابوزھرۃ کی رائے صحیح ہے، اس لیے کہ امام مالکؒ نے مؤطا میں ''خوشی ناخوشی ہر حالت میں حکامِ عصر کی اطاعت'' سے متعلق جن نصوص کی تخریج کی ہے ان سے مذکورہ بالا رائے کی تائید ہوتی ہے۔ اسی طرح خروج سے انکار، بلکہ اس سے متعلق امام شاطبی کا نقل کردہ فتوی بھی، جس کا ذکر پہلے گذر چکا، مذکورہ رائے کی صحت کی دلیل ہے۔

۲- حکام کے خلاف باغی خوارج کے بارے میں سخت رائے:

امام مالکؒ نے حجاز میں خوارج کے فتنہ کو اس وقت دیکھا جب ان کی عمر چالیس برس کے قریب ہو رہی تھی۔ خوارج اور اہلِ مدینہ منورہ کے درمیان ایک معرکہ کے بعد ابوحمزہ خارجی نے ۱۳۰ھ میں اپنے گروہ کے ساتھ مدینہ پر ہلّہ بول دیا جس میں قریش کی بڑی تعداد کا قتل عام ہوا اور یہ گھناؤنا فتنہ و فساد عین حرم نبویؐ میں ہوا جس کے احترام میں

امام مالکؒ کبھی سواری پر نہیں چلتے تھے۔انھوں نے یہ سب دیکھا تو مدنی اسلاف میں سے اپنے شیوخ کے طریقہ کے مطابق خروج اور خوارج کی مذمت کی، ان سے اور ان کے طریقوں سے لوگوں کو نفرت دلائی اور سنت و جماعت کے التزام پر ان کو آمادہ کیا۔ ان کے بارے میں امام مالک کے خیالات کے چند نمونے یہاں تحریر کیے جاتے ہیں:

☆ ابن القاسم نے کہا: مجھ سے امام مالکؒ نے اباضیہ،حروریہ اور دیگر اہل اُھواء کے بارے میں فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ ان سے توبہ کرائی جائے، اگر توبہ کرلیں تو ٹھیک، ورنہ قتل کر دیے جائیں'' ۔۸

☆ ابن القاسم نے کہا: مجھ سے امام مالکؒ نے قدریہ اور اباضیہ کے بارے میں فرمایا: ''ان کی میّتوں پر نماز جنازہ پڑھی جائے نہ ان کے جنازوں میں شرکت کی جائے اور نہ ان کے مریضوں کی عیادت کی جائے'' ۔۹

☆ سحنون نے ابن القاسم سے کہا: ان خوارج کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے جنھوں نے خروج کیا، خون بہائے، مال و دولت لوٹے، پھر توبہ کی اور (بداعمالیوں سے) رجوع کیا؟ ابن القاسم نے جواب دیا: ان کے بارے میں امام مالکؒ نے فرمایا ہے: ان کے خون معاف کر دیے جائیں، لوٹے ہوئے مال و دولت میں سے ان کے پاس جو چیز بعینہٖ مل جائے اس کو واپس لے لیا جائے، ورنہ اس کے بدلے ان کے اپنے ذاتی اموال نہ لیے جائیں، اس لیے کہ انھوں نے تاویل کی بنیاد پر لوٹے ہوئے مال و دولت کو خرچ کر ڈالا'' ۔۱۰

☆ العتبی نے ''المستخرجة'' میں کہا: 'اباضیہ اور واصلیہ کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں امام مالکؒ سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''میں اس کو پسند نہیں کرتا''۔ ان لوگوں کے علاقوں میں ان کے ساتھ سکونت اختیار کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ''اس کا ترک مجھے زیادہ پسند ہے'' ۔۱۱ عتبی نے مزید کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا: ''جب دونوں حَکم حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے فیصلہ سنایا تو خوارج نے خروج کیا اور کہا: لا حکم إلا لله (اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا حکم قابلِ

اعتبار نہیں)۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ کو ان لوگوں کا علم ہوا تو فرمایا: وہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ ان کو خوارج کا قول بتایا گیا تو فرمایا: حق بات کے ذریعہ باطل چاہا جارہا ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا: یہ پہلا گروہ ہے جو سنت و جماعت سے باہر نکلا۔ مزید فرمایا: ''میرا خیال ہے کہ انھوں نے حد سے تجاوز کیا اور لوگوں کی تکفیر کی'' ۔۱۲؎

☆ ابن رجب نے خوارج کے بارے میں کہا: ...... ان کے بارے میں بعض اہل علم کا قول ہے کہ مسلمانوں کا خون بہانے، ان کی تکفیر کرنے اور زمین میں فساد پھیلانے کے جرم میں (خوارج) قتل کیے جائیں گے، یہ امام مالکؒ کا قول ہے'' ۔۱۳؎

۳- حکام کو وعظ و نصیحت کرنا واجب ہے:

امام مالکؒ سمجھتے تھے کہ خروج و بغاوت کے بجائے علماء وفقہاء پر حکام کی وعظ و نصیحت اور رہنمائی و اصلاح واجب ہے، اس لیے وہ خود امراء و خلفاء کے پاس آتے جاتے اور اہلِ سنت و جماعت کے طریقہ کے مطابق ان کو نصیحت و رہنمائی کرتے، خیر کی دعوت دیتے اور برائی سے ہوشیار کرتے تھے۔ میانہ روی اور اعتدال کا یہی راستہ ہے۔

بعض ناواقف لوگ سلاطین کے پاس دینی نصیحت کے لیے بھی علماء کی آمدو رفت پر نکیر کرتے ہیں۔ امام شوکانیؒ نے اپنی کتاب **رفع الأساطین فی حکم الاتصال بالسلاطین** میں ان لوگوں کو سامنے رکھتے ہوئے لکھا ہے: ''کسی باعقل و ہوش مند آدمی سے یہ بات مخفی نہیں کہ اگر اہل علم و دین فضلاء بادشاہوں کے پاس آمد و رفت سے باز آجائیں تو شریعت معطل ہوکر رہ جائے گی اور دین و معاملات کے شرعی احکام کے بارے میں اسلامی مملکت جاہلی مملکت میں بدل جائے گی، جہالت عام ہوگی، بادشاہ اور اس کے خاص حاشیہ برداروں و متبعین کی طرف سے کتاب و سنت کے احکام کی علانیہ مخالفت ہونے لگے گی، اس طرح ان کی خواہشات کے مطابق ان کا مقصد پورا ہوگا اور وہ دین اسلام میں جیسے چاہیں گے الٹ پھیر اور ظاہری مخالفت کریں گے، دوسروں کے مال و دولت مباح کر لیے جائیں گے، عصمتیں پامال ہوں گی، مساجد و مدارس معطل ہو جائیں

گے، حرمات کا پاس ولحاظ اٹھ جائے گا، شعائر اسلام ختم ہو جائیں گے، خاص کر ان ملوک و حکم رانوں کی طرف سے جو یہ سب اپنی حکومت و دولت کے چھن جانے اور عزت و ناموس کی بے آبروئی کے خوف سے کرتے ہیں، بیش تر اسلامی احکام سے دامن چھڑانے کا بڑا بہانہ ان کے لیے یہی ہوتا ہے کہ ہم کو واقفیت نہیں، کوئی ہم کو سکھانے والا نہیں، کوئی ہم کو راہ دکھانے والا نہیں، دین جاننے والے ہم سے دور ہو گئے، باعمل علماء نے ہم سے راہ فرار اختیار کی"۔۱۴

اہل سنت و جماعت کے اس معتدل منہج کی روشنی میں امام مالکؒ اپنے زمانہ کے حکام سے ربط و تعلق رکھتے تھے اور علماء و فقہاء کو حکم رانوں کی نصیحت و رہنمائی کے لیے ان کے پاس آمد و رفت پر آمادہ کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے: "ہر مسلمان یا وہ شخص جس کے سینہ میں اللہ نے علم اور فقہ دی ہے اس پر واجب ہے کہ وہ ہر صاحبِ اقتدار کے پاس جائے، اس کو بھلائی کا حکم دے، برائی سے روکے اور نصیحت کرے، تاکہ عالم کی آمد غیر عالم سے علیحدہ معلوم ہو، اس لیے کہ عالم حکم رانوں کے پاس اسی مقصد سے جاتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی فضل و احسان نہیں"۔۱۵

امام مالکؒ سے ان سے شاگرد خلف بن عمر نے کہا: "امراء حکام کے پاس آپ کی آمد و رفت کے بارے میں لوگ چہ می گوئیاں کرتے ہیں"۔ امام مالکؒ نے جواب دیا: "میں ان کے پاس اپنے نفس پر جبر کر کے جاتا ہوں، وہ بھی اس لیے کہ کہیں نامناسب آدمی سے مشورہ نہ لیا جانے لگے"۔۱۶ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک پاکیزہ مقصد یعنی اُمر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے دل پر جبر کر کے حکام کے پاس آنے جانے کی زحمت گوارا فرماتے تھے۔ حکّام کے خلاف لوگوں کو ورغلانے کے بجائے خاموشی سے ان کو نصیحت کرنے اور مفسدین کے فساد کا راستہ بند کرنے کے لیے بااقتدار لوگوں کے پاس آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ یہی اعتدال اور میانہ روی کا تقاضا ہے جس پر اہل سنت کاربند ہیں۔ امام مالکؒ فرماتے تھے: "اگر میں ان حکام کے پاس نہ جاؤں تو اس شہر (مدینہ منورہ) میں نبی ﷺ کی کسی سنت پر عمل نہ ہو"۔۱۷

حکّام کو وعظ و نصیحت کی ایک مثال عتیق بن یعقوب نے اس طرح روایت کی ہے: ”امام مالک جب حکم رانِ وقت کے پاس تشریف لے جاتے تو اس کو نصیحت کرتے اور مسلمانوں کے مصالح (مفاد کے کاموں) کے لیے آمادہ کرتے تھے۔ ایک روز خلیفہ ہارون الرشید کے پاس گئے تو اس کو مسلمانوں کے فائدہ کے کاموں کے لیے آمادہ کرتے ہوئے فرمایا: ”مجھے روایت پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ اپنے فضل اور بزرگی کے باوجود عام الرمادۃ (قحط کے سال) کے دوران (محتاجوں کے چولھوں پر چڑھی ہوئی) دیگچیوں کے نیچے پھونک پھونک کر آگ جلایا کرتے تھے تو آپ کی داڑھی میں سے دھواں نکلنے لگتا تھا، لیکن تم سے ایسے (محنت و مشقت کے) کاموں کے بغیر ہی لوگ راضی ہیں“۔ ۱۸

ایک بار امام مالکؒ ہارون الرشید کے پاس گئے تو دیکھا کہ اس کے سامنے شطرنج رکھی ہوئی ہے، اور وہ (چال کے لیے) غور و فکر میں محو ہے۔ وہ بیٹھے نہیں، کھڑے رہے اور فرمایا: اے امیر المؤمنین! کیا یہ حق (صحیح) ہے؟ ہارون نے کہا: نہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا: اگر حق نہیں ہے تو پھر گمراہی کے سوا کیا ہے؟ ہارون الرشید اٹھ گئے اور کہا: اب آئندہ یہ میرے سامنے نہیں رکھی جائے گی۔

ایک روز امام مالکؒ نے حکمرانِ وقت سے فرمایا: ”رعایا کے حالات کی خبر رکھو اس لیے کہ تم ان کے ذمہ دار ہو، حضرت عمر بن الخطابؓ فرمایا کرتے تھے: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر فرات کے کنارہ کوئی اونٹ ہلاک ہو جائے تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھ تاچھ نہ فرمائے“۔

الحنینی نے کہا: میں نے امام مالکؒ کو اللہ کی قسم کھا کر یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ”سلاطین میں سے کسی کے پاس بھی جب میں جاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کی ہیبت میرے دل سے زائل کر دیتا ہے، تاکہ میں اس سے حق بات کہہ سکوں۔ ۱۹

خلفاء اور حکم رانوں کے بارے میں امام مالکؒ سب سے زیادہ برے ہم نشینوں کی جھوٹی مدح سے ڈرتے تھے، اس لیے کہ یہ تعریف و توصیف ان کے لیے ان کے

اعمال کو اچھا بنا کر پیش کرتی ہے، چنانچہ وہ برے کو اچھا اور اچھے کو برا سمجھنے لگتے ہیں، پھر ان کے دل کسی خیر خواہ اور رہنما کے وعظ و نصیحت کے لیے نہیں کھلتے۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ کے سامنے والیٔ مدینہ منورہ کے منھ پر اس کی تعریف کی گئی تو امام مالکؒ غصہ ہوگئے اور اس کی طرف مڑ کر کہا: ”خبردار، ان لوگوں کی تعریف سے دھوکہ نہ کھانا، اس لیے کہ جس نے (تمہارے منھ پر) تمہاری تعریف کرتے ہوئے وہ اچھی بات کہی جو تم میں نہیں ہے، یقین کرو کہ وہ تمہارے بارے میں (دوسروں کے سامنے) وہ بری بات بھی کہے گا جو تم میں نہیں ہے، اس لیے اللہ سے ڈرو کہ اپنے آپ میاں مٹھو بنو، یا جو تمہارے منھ پر تمہاری تعریف کرے اس سے خوش ہو، اس لیے کہ ان کے مقابلہ میں تم اپنے نفس کو زیادہ بہتر طریقے سے جانتے ہو۔ مجھے ایک روایت پہنچی ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے ایک شخص نے کسی آدمی کی (غیر واقعی) تعریف کی تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کی کمر توڑ دی یا گردن مروڑ دی، اگر اس نے یہ تعریف سن لی تو کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: ”منھ پر تعریف کرنے والوں کے چہروں پر مٹی ڈالو“۔[۲۰]

کبھی کبھی امام مالکؒ حکام کے خلاف نصیحت میں سختی سے بھی کام لیتے تھے اور ان کے منھ پر ان کے بارے میں سخت بات کہہ دیتے تھے۔ ایک ایسی ہی بات قاضی عیاض نے نقل کی ہے: مدینہ منورہ کے کسی حکم راں نے امام مالکؒ سے کہا: ”اپنے اصحاب کی طرح آپ خضاب کیوں نہیں لگاتے؟ امام مالکؒ نے جواب دیا: اب خضاب کے علاوہ عدل وانصاف سے متعلق کوئی اور اچھا کام باقی نہیں رہ گیا ہے!“[۲۱]

مسلم حکم رانوں کو نصیحت اور حق کی حمایت کے سلسلے میں امام مالک کی صاف صاف سچی کھری باتوں کے یہ چند نمونے تھے جن کو ثقہ راویوں نے بیان کیا ہے۔ انہوں نے کبھی اعتدال و توازن اور حکمت و موعظت حسنہ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، نہ فتنہ و فساد کی ہمت افزائی کی۔ خلفاء و حکم رانوں سے تقرب ان کی رہنمائی کے لیے حاصل کیا، لیکن ان کے مظالم و مزاعم باطلہ کی تصدیق کی نہ ان کے تمام اعمال سے رضامندی کا اظہار کیا۔

۴۔ حکّام وسلاطین کے تحفے تحائف قبول کرنا

حکام سے تعلق وتعامل میں اعتدال وتوازن کی ایک علامت خلفاء کے ہدایا قبول کرنا بھی تھی۔ امام مالکؒ کو ان کے معاصر امام اعظم ابو حنیفہؒ کے برخلاف حکم رانوں کے تحائف قبول کرنے کی حلّت میں کبھی شبہ نہیں ہوا۔ امام ابو حنیفہؒ اموی وعباسی خلفاء کے تحائف قبول نہیں فرماتے تھے، امام مالکؒ خلفاء سے تو تحائف قبول کرلیتے تھے، لیکن ان کے علاوہ دیگر حکام وعہدیداروں سے ہدیہ قبول کرنے میں ضرور احتیاط کرتے تھے، ابن القاسم کے بقول امام مالکؒ فرماتے تھے: ''خلفاء کے ہدایا قبول کرنے میں کوئی شبہ نہیں، یعنی کوئی حرج نہیں، لیکن ان سے کم تر حکام کے تحائف میں کچھ نہ کچھ (شک وشبہ) ہے۔''۲۲

بعض لوگ امام مالکؒ کے ہدایا یا ان میں سے بعض ہدایا قبول کرنے کو بڑی بات سمجھتے تھے، یہاں تک کہ روایت ہے کہ ایک بار خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالکؒ کو تین ہزار دینار بھجوائے، تو ایک زاہد نے ان سے کہا: اے ابو عبد اللہ! آپ نے امیر المؤمنین سے تین ہزار کی خطیر رقم لے لی۔ امام مالکؒ نے فرمایا: ''اگر وہ امام عادل ہو، شرفاء کو وہ کچھ عطا کرے جس کے وہ مستحق ہوں تو میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، ہاں اگر وہ غیر مستحق کو زیادہ دے تو میں اسے ناپسند کرتا ہوں''۔۲۳ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ یہ ہدایا تردد کے ساتھ قبول فرماتے تھے، تاکہ اپنی مروّۃ (شرافت) کی حفاظت کریں، ضرورت پوری کریں اور ان ذمہ داریوں کو ادا کریں جو سماجی مرتبہ کی وجہ سے آپ پر عائد ہوتی تھیں، جیسے غریب طلباء کی دیکھ بھال، دیگر محتاجوں کی ضروریات کی تکمیل وغیرہ۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نیک مقصد کے باوجود ان کو اس میں کچھ نہ کچھ تردد ضرور رہتا تھا، لہٰذا دیگر لوگوں کو اس خیال سے کہ ہوسکتا ہے ان کی نیت خود آپ کی جیسی خالص پاک نہ ہو، سلطان کے ہدایا قبول کرنے سے منع فرمادیتے تھے۔۲۴ چنانچہ ان سے کئی لوگوں نے سلطان کے جائزہ (بخشش/عطیہ) کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: نہ لو! اس پر

کسی نے کہا : مگر آپ تو قبول کرتے ہیں! امام مالکؒ نے جواب دیا: کیا تم اپنے اور میرے دونوں کے گناہ اٹھانا چاہتے ہو؟ دوسرے شخص سے اسی طرح کے سوال کے جواب میں فرمایا: کیا تم مجھے میرے گناہوں کی سرزنش کرنے آئے ہو؟'' ۲۵۔

۵-حکم رانوں کے ظلم وجور پر صبر

حکم رانوں کے ظلم وستم پر صبر اہل سنت و جماعت کے اصولوں میں سے ایک اہم اصول ہے۔ اہل سنت کی ہر تألیف میں اس اصول کی تاکید وتحریض ملتی ہے، اس بارے میں احادیث بھی حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں ۲۶۔ یہ نکتہ بھی ہماری شریعت کے اعتدال وتوازن کی دلیل ہے، اس لیے کہ حکم رانوں کے ظلم وستم پر صبر، نیز ان کے خلاف خروج (بغاوت) سے اجتناب کے ذریعہ ایسے مصالح (فوائد) حاصل ہوتے اور مفاسد رفع ہوتے ہیں جن کا فائدہ ملک اور بندگان خدا کو ملتا ہے۔

اس معتدل ومتوازن طریق کار پر امام مالکؒ کاربند تھے، مگر اس کے باوجود عباسی حکم راں ابوجعفر المنصور کے دور میں ان پر آزمائش کے پہاڑ ٹوٹے، کوڑوں سے ان کی پٹائی کی گئی، یہاں تک کہ ان کے دونوں کندھے اتر گئے، اس کے باوجود وہ اطاعت سے دست کش نہ ہوئے، بلکہ وہ اپنے جلّادوں کے لیے دعائے خیر فرماتے رہے اور ان کی زیادتی کو معاف کردیا۔

اس آزمائش کے اسباب کے بارے میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن عبدالبر کے بیان کے مطابق مشہور ترین بات یہ تھی کہ عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور نے امام مالکؒ کو **لیس علی مستکرہ طلاق** (زور زبردستی سے مجبور کیے ہوئے شخص کی طلاق معتبر نہیں) والی حدیث بیان کرنے سے منع کیا تھا، پھر چپکے سے ایک شخص کو اس کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ امام مالکؒ نے تمام لوگوں کے سامنے وہ حدیث بیان فرمائی۔ اس پر اس نے آپ کو کوڑے لگوائے ۲۷۔ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو اسّی (۸۰) کوڑے مارے گئے ۲۸۔ الداوردی کا بیان ہے کہ بیعت سے متعلق فتوے کے بارے

میں جب امام مالکؒ کو کوڑے مارے گئے، میں اس وقت ان سے سب لوگوں سے زیادہ قریب تھا، جب بھی ان پر کوڑا پڑتا تھا تو میں ان کو کہتے ہوئے سن تا تھا: **اللّٰھم اغفر لھم، فإنھم لا یعلمون** (اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے اس لیے کہ یہ نہیں جانتے) ۲۹؎

ابوالولید الباجی کا بیان ہے: جب ابوجعفر المنصور نے حج کیا تو والیٔ مدینہ منورہ جعفر بن سلیمان (جس نے امام مالک کو کوڑے لگوائے تھے) سے بدلہ لینے کے لیے امام مالک کو بلوایا کہ اس سے قصاص لے لیں، مگر امام مالک نے فرمایا: ''اللہ کی پناہ! بخدا میرے جسم پر جو کوڑا بھی پڑا، میں نے فوراً رسول اللہ ﷺ سے قرابت کی وجہ سے اس کو اسی وقت معاف کردیا''۔ قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ ''کوڑوں کی ضرب سے امام مالکؒ بے ہوش ہوگئے، جب انہیں ہوش آیا تو حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا'' میں تم سب کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے کوڑے مارنے والوں کو معاف کردیا''۔ ۳۱؎

اس ظلم وستم کے باوجود امام مالکؒ کسی فتنہ میں ملوّث ہوئے نہ کسی کو خروج (بغاوت) پر اکسایا، لیکن کسی کو خوش کرنے کے لیے اور اس کی خواہش کی پیروی میں وہ حدیث شریف بیان کرنے سے بھی باز نہیں رہے، اس لیے کہ یہ کتمانِ علم کے دائرہ میں آتا ہے، جس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مدینہ منورہ میں محمد بن عبداللہ النفس الزکیۃ کے خروج کے وقت مذکورہ بالا حدیث بیان کرنے کی وجہ سے امام مالکؒ کو کوڑے لگائے گئے تھے، ان کا مقصد لوگوں کو بغاوت پر اکسانا نہیں تھا، انہوں نے تو صرف حدیث بیان کی تھی، لوگوں نے ان سے روایت کرتے ہوئے اس حدیث کو نقل کیا۔ اس موقع پر بعض غرض مند لوگوں نے اس میں سے وہ معنی نکال لیے کہ امام مالک لوگوں کو ابوجعفر المنصور کی بیعت سے دست کش ہونے پر اکسا رہے تھے، اس لیے کہ اس کی بیعت جبراً لی گئی تھی، انہوں نے والیٔ مدینہ منورہ کو خبر کردی، اور امام مالکؒ پر امتحان وآزمائش کی آندھی گزر گئی ۳۲؎۔ ابن عبدالبر کی الانتقاء میں بھی یہی بات مذکور ہے ۳۳؎۔

حکام وقت کے ساتھ ربط وتعلق کے معاملے میں امام دارالھجرۃ مالکؒ کا یہ

معتدل ومتوازن منہج تھا، خواہ حکام کوڑے مار مار کے ان کی پیٹھ ادھیڑ دیں اوران کا مال ودولت ضبط کرلیں۔ انہوں نے یہ سب مصیبت امت کی مصلحت (مفاد) اورخروج (بغاوت) کے مفاسد سے احتراز کے لیے مول لی۔ مصلحین کواسی مسلک کی پیروی کرنی چاہیئے اورمخلصین کو یہی نمونہ اپنانا چاہیئے، اس لیے کہ شرعی و سیاسی اصلاح کا راستہ فوجی انقلابات کے ذریعہ حکام کے خلاف مسلح بغاوت نہیں ہے،تشدد کی یہ کارروائیاں موجودہ زمانہ کی بدعتیں (ایجاد بندہ) ہیں،مگر وہ اسلامی نصوص ومقاصداور اعتدال ومیانہ روی کے خلاف ہیں۔ اسلام تو اولاً دل کی دنیا بدلنے کا حکم دیتاہے۔ اگر بنیاد مضبوط نہیں ہوگی تو اس پر مستحکم اور بلند وبالا عمارت تعمیر نہیں ہوسکتی۔ اللہ سبحانہ وتعالی کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت بدلنے کے لیے پرعزم نہ ہو۔ ان احمقانہ سیاسی انقلابات اورفوجی بغاوتوں کو ہم بہت جھیل چکے، اوران کے مفاسد بھی روزروشن کی طرح عیاں ہوچکے۔ کاش کہ اب ہم امام مالکؒ کے معتدل ومتوازن راستہ سے رہنمائی حاصل کریں۔

حواشی ومراجع

۱ العقیدۃ الطحاویۃ، المکتب الاسلامی، بیروت،۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء،ص ۶۸

۲ محمد ابوزھرۃ، مالک: حیاتہ وعصرہ وآراءہ وفقہہ، دارالفکرالعربی، القاھرۃ،ص ۴۸-۵۰

۳ الشاطبی، الاعتصام، تحقیق حسن آل سلمان، مکتبۃ التوحید، المنامۃ، البحرین،۳/۴۶

۴ حوالہ سابق

۵ محمد ابوزھرۃ، مالک......ص۵۲-۵۳

۶ حوالہ سابق

۷ علال الفاسی، نضالیۃ الامام مالک و مذہبہ، مطبعۃ الرسالۃ، الرباط، المغرب،ص ۱۱

۸ المدونۃ الکبری، تحقیق محمد محمد تامر، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، القاھرۃ، ۱/۵۸۹

۹ حوالہ سابق ۱/۵۹۰ ۱۰ حوالہ سابق، ۱/۵۹۰

۱۱؎ ابن رشد، البیان والتحصیل، تحقیق محمد حجی، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء، ۱/ ۴۴۳

۱۲؎ حوالہ سابق، ۱۸/ ۴۰۰

۱۳؎ ابن رجب، جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثاً من جوامع الکلم، تحقیق محمد الأحمدی ابوالنور، دار السلام، القاہرۃ، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۴ء، ۱/ ۳۵۶

۱۴؎ الشوکانی، رفع الأساطین فی حکم الاتصال بالسلاطین، تحقیق حسن محمد اظاہر، دار ابن حزم، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء، ص ۷۴-۷۵

۱۵؎ القاضی عیاض، ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ أعلام مذہب مالک، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء، ۱/ ۱۱۱ اور ابن فرحون، الدیباج المذہب فی معرفۃ أعیان علماء المذہب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء، ص ۷۵

۱۶؎ القاضی عیاض، ترتیب المدارک......۱/ ۱۱۱،

۱۷؎ ۱۸؎ ۱۹؎ حوالہ سابق ۲۰؎ حوالہ سابق ۱/ ۱۱۳

۲۱؎ حوالہ سابق ۲۲؎ حوالہ سابق ۱/ ۱۱۷

۲۳؎ حوالہ سابق ۲۴؎ محمد ابوزھرہ، مالک......ص ۳۹

۲۵؎ القاضی عیاض، ترتیب المدارک......۱/ ۱۱۷-۱۱۸

۲۶؎ الشوکانی، رفع الأساطین......ص ۸۱-۸۸

۲۷؎ ابن عبد البر، الإنتقاء فی فضائل الأئمۃ الثلاثۃ الفقہاء، تحقیق عبد الفتاح ابو غدۃ، دار البشائر الإسلامیۃ، بیروت، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء، ص ۸۷

۲۸؎ القاضی عیاض، ترتیب المدارک......، ۱/ ۱۲۵

۲۹؎ حوالہ سابق ۳۰؎ حوالہ سابق ۱/ ۱۲

۳۱؎ حوالہ سابق ۳۲؎ محمد ابوزھرۃ، مالک......ص ۵۹

۳۳؎ ابن عبد البر، الإنتقاء......ص ۸۷

(مأخذ: سہ ماہی آفاق الثقافۃ والتراث، دبئ، متحدہ عرب امارات، ۱۴/ ۵۵، اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۹-۲۷)